منزلِ حیات

اور اس کے قافلہ سالار ﷺ

از سید عبدالعزیز بخاری

۱۔ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کدھر جانا ہے؟ یعنی ہماری منزل حیات کیا ہے؟
۲۔ اس کائنات کی اور ہماری پیدائش کا مقصد کیا ہے؟
۳۔ ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے اور اس دنیوی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن پر صدیوں سے غور و فکر ہوتا رہا ہے' حکماء اور فلاسفر اپنی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے رہے ہیں مگر سوائے ظن و تخمین کے کچھ ہاتھ نہیں آیا' کیونکہ حتمی اور یقینی علم کا ذریعہ تو صرف وحی الٰہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ہمیں ان سوالات کے شافی جوابات دیتا ہے' جو قرآن میں تدبر اور تفکر کرنے سے مل جاتے ہیں۔

سب سے پہلے تو قرآن حکیم ہمیں بتلاتا ہے کہ ہماری پیدائش اور اس ساری کائنات کی پیدائش بے معنی اور بے مقصد نہیں' بلکہ ان کا ایک خاص مقصد ہے۔

آیاتِ ذیل ملاحظہ ہوں :

۱۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○
(المومنون : ۱۱۵)

"کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟"

۲۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ (الانبیاء : ۱۶)

"ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے لئے پیدا نہیں کیا۔"

۳ ۔ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ (العنکبوت : ۴۴)

"اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا فرمایا ہے۔ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

کائنات کی پیدائش کا مقصد

آیئے سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ اس زمین و آسمان اور کائنات کی پیدائش کا کیا مقصد ہے؟ قرآن حکیم سے ہمیں اس کا یہ جواب ملتا ہے :

۱ ۔ هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ : ۲۹)

"وہ ذات وہ ہے جس نے جو کچھ اس زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا فرمایا"۔

۲ ۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۔ (البقرہ : ۲۲)

"اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔ پھر آسمان سے پانی برسا کر اس میں تمہارے لئے پھل اور رزق پیدا کئے"

۳ ۔ وَسَخَّرَلَکُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ : ۱۳)

"اور اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے مسخر (تابع) کر دیا ہے"۔

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہے کہ باری تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ساری کائنات کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پھر انسان کی پیدائش کا کیا مقصد ہے؟

انسان کی پیدائش کا مقصد

اس کا جواب باری تعالیٰ نے یہ دیا ہے :

۱ ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات : ۵۶)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"۔

۲۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا
(الملک : ۲)

"اس نے موت و حیات اس لئے پیدا کی تاکہ یہ جانچ سکے کہ تم میں سے کون بہترین عمل پیش کرتا ہے۔"

سبحان اللہ۔ کیا عظمت اور شان ہے انسان کی کہ ساری کائنات کو تو حق تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمایا اور انسان کو خود اپنے لئے۔ اسی لئے وہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ ان دو آیات سے عنوان میں دیئے گئے دوسرے سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ ہماری اور اس کائنات کی پیدائش کا کیا مقصد ہے۔

قبل اس کے کہ اس موضوع پر مزید گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سوال نمبر ۱ کا جواب تلاش کیا جائے۔ جب ہم میں سے کوئی اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے تو ہمیں ایک بھولا ہوا سبق یاد دلایا جاتا ہے اور یہ آیتِ کریمہ پڑھی جاتی ہے : "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" (البقرہ : ۱۵۶) یعنی "ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے"۔ یہاں لفظ "رَاجِعُوْن" میں ایک بلیغ نکتہ ہے جس کے معنی ہیں "لوٹ کر جانے والے"۔ ظاہر ہے کہ لوٹ کر انسان وہاں جاتا ہے جہاں سے وہ آیا ہو۔ بس اسی سے ہمیں اپنے پہلے سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ اور ہماری منزلِ حیات خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والاصفات ہے۔

ہماری دنیوی زندگی کی غرض و غایت

اب رہ جاتا ہے تیسرا سوال کہ ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ یہ تو تقریباً سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم سب عالمِ ارواح میں تھے۔ اور ہماری روحوں کو ربِ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت حاصل تھی جیسا کہ ذیل کی آیت سے واضح ہے کہ اللہ نے "یومِ الست" ہماری روحوں سے سوال کیا تھا : اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" تو سب ارواح نے مل کر یہ اقرار کیا تھا : قَالُوْا بَلٰى "جی ہاں، باری تعالیٰ

آپ ہی ہمارے رب ہیں" (الاعراف : ۱۸۲)۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہماری روحوں کو اپنے رب کی معرفت پہلے ہی حاصل تھی تو پھر ہمیں وہاں سے اس دنیا میں کس لئے بھیجا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہمیں اپنے رب کی معرفت عالمِ ناسوت میں ہی حاصل تھی مگر اپنے رب کا قرب و حضور ہمیں وہاں حاصل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اپنے قربِ خاص کو اپنی عبادت اور اعمال صالحہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اب چونکہ مجرد ارواح کے لئے عبادت رب اور اعمال صالحہ کا بجالانا ممکن نہ تھا اس لئے ہماری روح کو اس مادی بدن کی سواری عطا کی گئی۔ اس طرح روح اور جسم کے اتصال سے ایک نیا انسان وجود میں آیا جسے اس مادی دنیا میں بھیجا گیا تاکہ وہ ایک مقررہ مدت میں اپنے رب کی عبادت اور اعمال صالحہ بجالا کر اس کا قرب حاصل کر سکے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے اس کی ذات تک رسائی حاصل کر سکے جو اس کا مقصدِ حیات اور منزل مقصود ہے۔

اس کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی کا مطالعہ کیا جائے :

۱۔ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ (الانشقاق : ٦)

"اے انسان بے شک تو نے مشکلات جھیل کر بتدریج اپنے رب کی طرف بڑھنا ہے یہاں تک کہ تو اس سے ملاقات کرے"

۲۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ (البروج : ۱۹)

"تم نے سیڑھی پر سیڑھی چڑھنا اور درجہ بدرجہ ارتقائی منازل طے کرنا ہیں"۔

۳۔ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا (النازعات : ۴۴)

"تیرے رب کی طرف اس کی انتہا ہے"۔

۴۔ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ (النجم : ۱۲)

"بے شک تیرے رب تک سب کی انتہا ہے"۔

چونکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات لامحدود و لاانتہا ہیں اس لئے اس کے قرب کی منازل بھی لاانتہا ہیں۔ اس لئے ہمارا سفرِ زندگی بھی کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ چلنا' چلنا' مدام چلنا

ع منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی؟

مقصد کے حصول کاذریعہ

اوپر مجمل طور پر بتایا گیا ہے کہ مقصد کے حصول کا ذریعہ عبادتِ رب اور اعمال صالحہ ہیں۔ اب یہ بتانا ہے کہ عبادت اور اعمال صالحہ سے کیا مراد ہے؟

عبادت سے مراد

عبادت سے مراد انتہائی تذلّل، عجز و انکساری، کمالِ محبت اور شکر کے جذبات اور تضرع و زاری کے ساتھ اپنے رب کی اطاعت کرنا ہے۔ کبھی کھڑے ہو کر، کبھی بیٹھ کر، کبھی جھک کر اور کبھی سجدہ ریز ہو کر اپنے رب سے مخاطب ہونا اور اس طرح دعا مانگنا گویا خدا کے حضور کھڑا ہے جو اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی دعا سن رہا ہے اور قبول کر رہا ہے، یہ احسان کی پہلی منزل ہے۔ اس کی اوپر کی منزل یہ ہے کہ بندہ خود نماز میں اپنے رب کا دیدار کر رہا ہے اور اس سے التجائیں اور دعائیں مانگ رہا ہے۔ سب سے بڑی دعا تو یہی ہے کہ اے ربِّ کریم! اپنے پاس پہنچنے کا سیدھا راستہ ہمیں بتلادے اور اس پر مسلسل چلائے رکھ تاکہ انسان کو اپنی منزل مقصود حاصل ہو جائے۔ یہی ہے مطلب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا۔

یاد رہے کہ اسلام میں عبادت کا مفہوم وسیع تر ہے۔ اس میں حلال روزی کمانا، اپنے بیوی بچوں کی نگہداشت و پرورش، حقوق العباد کا بجالانا اور کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کرنا وغیرہ بھی شامل ہے، بشرطیکہ ان سب کا مقصود حق تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو۔

اعمالِ صالحہ سے مراد

ہر وہ نیک عمل جو خدا اور رسول کے حکم کے تحت خالصتاً اس کے قرب اور رضا کے حصول کے لئے بجالایا جائے۔ گویا عمل کے صالح ہونے کی دو شرائط ہیں :

۱ ۔ ہر عمل اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کے حصول کی نیت سے کیا جائے۔

۲ ۔ ایسا ہر عمل رسولِ خدا کی سُنّت کے مطابق اور ان کے اتباع میں ہو، ورنہ وہ عمل صالح نہ ہوگا۔

عبادات اور اعمالِ صالحہ سے مقصود

اس سے انسان کی شخصیت کی تعمیر اور تکمیل ذات یا علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے الفاظ میں تعمیرِ خودی وجود پذیر ہوتی ہے جو درجہ بدرجہ ارتقائی منازل طے کرکے نفس کی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر انسان کے باطن کو منور کرتی ہے اور بالآخر اس میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اپنے رب کا دیدار کرسکے۔ واضح رہے کہ جنت اس کے مقامِ قرب و رضا کا ہی دوسرا نام ہے۔ سب سے پہلے نفس امارہ کے ساتھ مسلسل جہاد کرکے اسے نفسِ لوامہ میں تبدیل کرنے اور پھر اس کا مزید تزکیہ کرکے نفس مطمئنّہ کی بلند منزل تک رسائی حاصل کرنے کے بعد اس کی شخصیت یا خودی کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور پھر یہ آواز آتی ہے :

﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝ ﴾

(الفجر : ۲۸)

"اے نفسِ مطمئنّہ، اپنے رب کی طرف لوٹ آ، درآنحالیکہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

گویا یہ عبادات اور اعمال صالحہ جو کچھ بھی انسان بجالاتا ہے، اس سے اس کی اپنی شخصیت اور ذات کی تکمیل ہوتی ہے، اس میں اس کا اپنا ہی فائدہ مضمر ہے۔ اگر وہ خدا کی نافرمانی اور گناہ کرتا ہے تو درحقیقت اپنی ہی شخصیت کو بگاڑتا اور مسخ کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بے نیاز اور وراء الوراء ہے کہ ہماری عبادتوں کا اسے کچھ فائدہ پہنچے یا ہمارے گناہوں سے کچھ نقصان (نعوذ باللہ)

"صراطِ مستقیم" سے مراد

"صراطِ مستقیم" کی تعریف قرآن کریم نے یہ کی ہے کہ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ ہے۔ گویا یہ کوئی تنگ پگڈنڈی نہیں بلکہ ایک وسیع شاہراہ ہے جس پر مذکورہ

بالا تمام بندگانِ خدا کے نقش پا ثبت ہیں۔ پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو قرآن کی قسم کھا کر باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ یقیناً صراطِ مستقیم پر ہیں (سورۂ یٰسین)۔ گویا صراطِ مستقیم پانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا کی تلاش ضروری ہے۔ اسی طرح تعمیر شخصیت اور تکمیل ذات کے لئے بھی کسی کامل نمونہ 'ماڈل یا آئیڈیل کی اشد ضرورت ہے۔ یہ ماڈل' یہ کامل نمونہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بنایا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(الاحزاب : ۲۱)

"(اے مسلمانو) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کامل نمونہ اور بہترین ماڈل ہے"۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا طریق

ایمان باللہ کی لازمی شرط اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ : ۱۶۵) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تو ہمارے تصور اور وہم و خیال سے بھی کہیں برتر اور وراء الوراء ہے 'پھر اس سے کیسے محبت کی جائے؟ ؎

اے بروں از وہم و قال و قیلِ من   خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

(عارف رومی)

اس مشکل کا حل بھی اُس رحیم و کریم خدا نے اپنے رسول کی زبانی یہ بتلایا ہے :

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

(آل عمران : ۳۱)

"(اے رسول ؐ) کہہ دیجئے اگر آپ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہیں تو پھر میری اتباع کرو (جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے"۔

سبحان اللہ 'ڈھونڈنے گئے تھے اللہ تعالیٰ سے محبت کا طریق 'بن گئے خدا کے محبوبؐ۔ یہ شان ہے اتباعِ رسول کی۔

خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد شناس اُو را کہ گوید "ما عرفناک"!

(اقبال)

"خدا تو ہمارے عقل و قیاس میں نہیں آسکتا۔ اس لئے تو اسے پہچان جس نے کہا ہے:
"ماعرفناکَ"

اس شعر میں علامہ اقبال نے حدیثِ نبویؐ کے ان الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے:

"مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ"

"یااللہ ہم تیری معرفت کا حق ادا نہیں کر سکے"۔ (الحدیث)

پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبتِ رسول ﷺ ہی محبتِ حق تعالیٰ ہے۔

نیز اطاعتِ رسول ﷺ اطاعتِ حق تعالیٰ ہے۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (النساء : ۸۰)

اور نطقِ رسول ﷺ نطقِ حق تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ○ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○﴾

قافلہ سالارِ منزلِ حیات ﷺ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہے۔ ظاہر ہے کہ منزلِ حیات کے حصول کے لئے کسی ایسی شخصیت کا نمونہ ہی کامل ہو سکتا ہے جسے نہ صرف خود منزل کا پتہ ہو بلکہ وہ خود منزل سے ہو کر مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لئے واپس آیا ہو۔ اور کہہ رہا ہو لوگو میرے پیچھے پیچھے آؤ (فَاتَّبِعُوْنِیْ) میرے قدم بقدم چلو تاکہ میں تمہیں منزل پر پہنچادوں۔

اس ساری کائناتِ ارضی و سماوی میں بشمول حضرات انبیاء' مرسلین اور ملائکہ مقربین' کامل ترین واحد ہستی صرف افضل الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے جنہوں نے "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کی قربت کی منزل پائی اور "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" کا سرٹیفکیٹِ استقامت بھی ذات باری تعالیٰ سے حاصل کیا۔

اسی لئے اس طویل سفرِ حیات میں منزلِ عشق کے قافلہ سالار صرف اور صرف حضور

والاصفات کی ذات بابرکات ہے' جو تمام جن وانس' ملائکہ مقربین' اولیاء' اتقیاء' صلحاء' صدیقین' شہداء اور سابقہ تمام انبیاء و مرسلین کے پیش رو اور رہنما ہیں۔ ان سب کو حضور افضل الانبیاء والمرسلین کے نقش قدم پر چلنے کے سوا کوئی مفر نہیں۔ خود حضورؐ نے بروایت حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ یہ ارشاد فرمایا کہ "اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آپ کو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا"۔ اور "عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونگے تو قرآن کریم اور تمہارے نبی کی سنت پر فیصلے کریں گے"۔ اسی لئے بروزِ میثاق حق تعالیٰ نے تمام سابقہ انبیاء سے حضور خاتم النبیین و المرسلین ﷺ پر ایمان لانے اور اپنی نصرت بہم پہنچانے کا وعدہ لیا تھا (آل عمران : رکوع ۸)۔ بقول مولانا جامی ۔

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

بقول علامہ اقبال :

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو

اتباعِ رسول سے مراد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں' معاملات میں' اخلاقیات میں' عادات میں' صفات میں یہاں تک کہ حرکات و سکنات میں بھی حضورؐ کی پیروی کی جائے۔ گھریلو زندگی ہو کہ مدنی' شخصی زندگی ہو کہ مجلسی' خلوت ہو کہ جلوت' تعلیم و تعلم ہو کہ جہاد' صلح ہو کہ جنگ' سیاست ہو کہ حکومت---- غرض زندگی کے ہر ہر شعبہ میں حضور ﷺ کی متابعت لازمی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا اور سونا وغیرہ سب کچھ حضورؐ کے قول و فعل کے مطابق ہو۔ اور یہ اتباع حقیقی جذبۂ محبت' ذوق و شوق گہرے قلبی لگاؤ اور شیفتگی کے ساتھ ہو نہ کہ کسی لگی بندھی مجبوری کے تحت۔ جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۶۵ میں فرمایا کہ "آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک یہ اپنے

تنازعات میں آپ کو اپنا حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ خوش دلی کے ساتھ اسے قبول کریں"۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ جس طرح اس نے اپنے آخری کلام قرآن کریم کو ہمارے لئے محفوظ فرمایا اسی طرح ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے آخری رسول ﷺ کی سنّت کی حفاظت کا بھی مہتم بالشان انتظام فرمایا۔

اتباعِ رسول کی چند قابل قدر مثالیں

۱۔ حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب جنگِ احد میں حضور اکرم ﷺ کے دو دندان مبارک شہید ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے ایک ایک کر کے اپنے سارے دانت نکال دیئے اس خیال سے کہ نہ معلوم حضور ﷺ کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں؟

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ اس درخت کی ٹہنی سے جھک کر گزرتے رہے جس کی درخت کے نیچے سے حضور ﷺ ان کی معیت میں ایک دفعہ کسی وجہ سے جھک کر گزرے تھے۔

۳۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ساری عمر صرف اس لئے خربوزہ نہ کھایا کیونکہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضورؐ نے کبھی خربوزہ کھایا تھا یا نہیں اور اگر کھایا تھا تو کیا چھری سے کاٹ کر کھایا تھا کیسے؟

انتباہ : یاد رہے کہ اس سفرِ حیات میں اگر ایک قدم بھی حضور ﷺ کے نقشِ قدم سے اِدھر اُدھر پڑ گیا تو سمجھ لو کہ منزل سے بھٹک گئے ہیں۔ جتنے قدم غلط پڑیں گے اسی قدر منزل سے دوری ہوتی جائے گی۔ ع

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد!

(ایک لحظہ کی غفلت سے سو سالہ راہ دور پڑ گئی)

یہ نمازیں ' یہ روزے ' یہ حج ' یہ زکوٰۃ ' یہ صدقات ' یہ جہاد ' اگر حضور اکرم ﷺ کے طریق اور سنت سے ہٹ کر ہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ' سب بے کار ہیں۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب!

فریضۂ رسالت اور اتباعِ رسولؐ کا عظیم تقاضا

سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ نے اپنی بعثت کے دن سے لے کر آخر دم تک جو کام مسلسل کیا ہے وہ ہے دعوت و تبلیغِ دین' باطل کے خلاف جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق۔ لہٰذا اتباعِ رسول کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی طرح دعوت و تبلیغ' باطل کے خلاف جہاد اور دین حق کی سربلندی اور اس کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد کریں۔

کامل اتباع حبِ رسولؐ کے بغیر ممکن ہی نہیں

اس قسم کی کامل اتباع' متبوع کے ساتھ شدید محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے مومنین کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب : ٦) یعنی "نبی ﷺ مومنین کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں"۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن میں حضورؐ کی محبت اور کمال آداب کی مومنوں کو تلقین کی گئی ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ نے قسم اٹھا کر ایک حدیث میں فرمایا ہے :

"وَالذی نفسی بیدہٖ لا یؤمن احدُکم حتیٰ اکون احبَّ الیہ مِن والدہٖ وولدِہٖ وَالنّاس اجمعین"

"قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والدین' اولاد اور تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ محبت نہیں کرتا"۔

مذکورہ بالا آیت و حدیث مبارک سے یہ واضح ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے محض محبت نہیں بلکہ اپنی جان و مال' ماں باپ' اولاد اور سب جہان والوں سے زیادہ محبت واجب

ہے' جس کے بغیر ایمان ہی مفقود ہے۔ گویا محبت اور اتباع لازم و ملزوم ہیں۔

حُبِ رسول ﷺ کے تقاضے

۱۔ کامل اطاعت و اتباع رسول ﷺ
۲۔ نصرت و حمایتِ رسول ﷺ
۳۔ کمال آدب و توقیر و تعظیم رسول

نمبر ۱ کی وضاحت اوپر بیان ہو چکی ہے' اب نمبر ۲ اور نمبر ۳ کی وضاحت کی جائے گی۔

○ نصرت و حمایتِ رسولؐ

حضور خاتم النبیین والمرسلین ﷺ کے بعد چونکہ قیامت تک کسی نبی اور رسول نے نہیں آنا تھا اس لئے حضورؐ کے فریضۂ رسالت یعنی مخلوقِ خدا کو شرک و بت پرستی سے نکالنا' انسان کو انسان کی چیرہ دستیوں اور ظلم و ستم سے نجات دلا کر آزادی کی نعمت عطا کرنا' اسے جہالت اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے نور سے منور کرنا' باطل کے خلاف مسلسل جہاد اور اعلائے کلمتہ الحق کا فریضہ اس طرح ادا کرنا کہ باطل سرنگوں ہو جائے اور حق کا بول بالا ہو جائے' گمراہ اور بھٹکی ہوئی مخلوقِ خدا کو صراط مستقیم پر گامزن کر کے اسے منزل حیات سے روشناس کرنا' یہ سارے کام جس قدر کٹھن' جاں گسل اور صبر آزما تھے اسی قدر اہم بھی۔ نبی آخر زمان ﷺ کی بعثت مخلوق خدا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اتمامِ حجت بھی تھی' اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا اور اس کی مشیت یہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کا مشن کامیابی سے ہمکنار ہو تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مخلوق عذابِ الٰہی سے بچ کر فلاح دارین حاصل کر سکے۔ لہٰذا اس نے اپنے اس اولوالعزم آخری نبی کی مدد اور نصرت و حمایت کا مندرجہ ذیل مہتم بالشان انتظام فرمایا :

۱۔ <u>میثاق انبیاءِ سابقین</u> : تمام انبیائے سابقین سے پورے اہتمام کے ساتھ یہ عہد اور قول و اقرار لیا گیا کہ وہ نبی آخرالزمان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد و نصرت کریں

گے۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

(آل عمران : ۸۱ ' ۸۲)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے یہ عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا کی ہے' کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی۔ اس کے بعد اللہ نے نبیوں سے پوچھا' کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا : ہاں' ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا : اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے"۔

۲ ۔ <u>میثاق بنی اسرائیل</u> : مندرجہ بالا عہد و اقرار ان انبیاء کی امتوں پر بھی آپ سے آپ لاگو ہوتا تھا' اور انبیاء اپنی اپنی امتوں کو سب سے آخر میں آنے والے نبی پر ایمان لانے اور اس کی مدد و نصرت کرنے کی تلقین اور تاکید بھی کرتے رہے۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تاکید مزید کے طور پر بنی اسرائیل اور یہود و نصاریٰ سے بھی نبیِّ امی ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی تائید و نصرت کا عہد لیا : ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (المائدہ) پھر سورۂ اعراف میں نبیِّ اُمّی ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کی ہدایت کے بعد فرمایا :

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾

"پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی توقیر کی اور مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو

اس پر اتارا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

۳ ۔ ذاتِ خداوندی کی مدد و نصرت : حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی نصرت و حمایت سے آپ کو نوازا اور سکینہ کا نزول فرمایا۔

۴ ۔ فرشتوں کی مدد و نصرت : جنگِ بدر جو حضورؐ کے مشن اور تحریک اسلامی کی کامیابی کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے' اس میں ہزاروں کی تعداد میں فرشتے بھیج کر نصرت و اعانت فرمائی گئی ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ اسی طرح دوسرے غزوات میں بھی غیبی امداد فرمائی گئی۔

۵ ۔ صحابہؓ کی مدد و نصرت : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے بے مثل ساتھی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عطا کئے گئے جو اپنا تن من دھن سب کچھ حضورؐ پر قربان کرنے کو تیار تھے اور انہوں نے تاحیات حضورؐ کے فریضۂ رسالت کی ادائیگی اور مشن کی کامیابی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

٦ ۔ امتِ مسلمہ کی مدد و نصرت : سب سے آخر میں حضورؐ کے رحلت فرمانے کے بعد امتِ مسلمہ پر یہ فریضہ عائد کیا گیا کہ وہ حضورؐ کے مشن کو آگے بڑھائے اور فریضۂ رسالت کی تکمیل کے لئے اپنا تن من دھن صرف کر کے ساری دنیا میں حق کا بول بالا کرے اور حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں لائے اور اس طرح شہادت علی الناس کا فرض ادا کرے۔

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی!

محاسبہ : ہم سب کو انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر اپنا اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہم اتباعِ رسولؐ اور نصرتِ رسولؐ کا فریضہ کس حد تک ادا کر رہے ہیں۔ اگر ادا نہیں کر رہے تو پھر محبت و عشقِ رسولؐ کا دعویٰ جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

○ کمالِ ادب و توقیر و تعظیمِ رسالت

یہ وہ موضوع ہے جہاں فکرِ انسانی کی پرواز عجز و بے بسی کا اظہار کرنے پر مجبور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عقل بھی آگے بڑھنے کی تاب نہیں لا سکتی جس طرح شب معراج حضرت جبریل سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر رک گئے تھے اور اپنے عجز کا اظہار بزبان شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کیا تھا۔

"اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم"

"اگر میں ایک سرِ مو بھی آگے پرواز کروں تو میرے پر اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلّی سے جل جائیں گے"۔

یہ وہ منزل ہے جہاں روح القدس، ملائکۂ مقربین، انبیاء و رسلؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظام بھی دم نہیں مار سکتے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا!!

"اس آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ ہے جو عرشِ الٰہی سے بھی زیادہ نازک ہے (بزرگ تر نہیں) اس بارگاہِ قدس میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے اولیاءِ کبار اپنا سانس کھینچ کر آہستہ داخل ہوتے ہیں کہ اونچی سانس بھی سوءِ ادب کا باعث نہ بنے"۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ بارگاہ رب العزت میں حضور پاک ﷺ کی توقیر و تعظیم کا کیا مقام ہے!

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تمام انبیاء کو ان کے نام سے پکارا ہے جیسے یا آدم، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا عیسیٰ وغیرہم مگر حضور اکرم ﷺ کو کہیں بھی "یا محمد" کہہ کر نہیں مخاطب کیا گیا بلکہ منصبِ رسالت کے حوالے سے یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ کہہ کر پکارا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضورؐ کی عزت و توقیر کی ایک علامت ہے۔

۲۔ جب یہود و منافقین نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے "رَاعِنَا" کو شرارت سے

بگاڑ کر "رَاعِینَا" کہنا شروع کیا تو باری تعالٰی کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ حضورؐ کی اس طرح نامعلوم طریق پر اہانت کی جائے۔ اس لئے فوراً مومنین کو ہدایت فرمائی کہ لفظ "رَاعِنَا" کو بدل کر اس کی بجائے "اُنْظُرْنَا" کہا کرو اور پھر ادب سے حضورؐ کی بات سنا کرو۔ (البقرہ : ۱۰۴)

۳۔ جب کبھی صحابہ کرامؓ حضورؐ کی دعوت پر حجرہ مبارک میں کھانے کے لئے جاتے تو کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر تک باتیں کرتے رہتے۔ اللہ تعالٰی نے بذریعہ وحی کھانے کے بعد وہاں بیٹھنے سے منع کر دیا کہ اس طرح اس کے رسول کو دل میں تکلیف محسوس ہوتی ہے مگر وہ حیا کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں پاتے۔

۴۔ مگر سب سے بڑھ کر حضورؐ کے کمالِ ادب و احترام کے سلسلہ میں دو آیات ایسی ہیں جن کی تلاوت اور غور و تدبر کرنے پر مجھ جیسے کم علم، کم فہم اور کم ترینِ خلائق، بندۂ عاصی کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مترجمین اور مفسرین حضرات عام طور پر ان پر سے سرسری گزر جاتے ہیں اور ان کی گہرائی میں غوطہ زن نہیں ہوتے۔

ان میں سے ایک آیت تو میثاقِ انبیاء والی آیت ہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے تیور ہی بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے ہاں وہ انبیاء کرام جن سے عہد لیا گیا اور جس انداز سے لیا گیا اور وہ نبی آخر الزمان جس کے لئے یہ عہد لیا گیا ہے۔۔۔ان کے مراتب میں کیا فرق ہے؟۔ اور آخر میں عہد شکنی کی صورت میں یہ دھمکی ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ سے تو اللہ تعالٰی کی شان بے نیازی اور خوف سے انسان لرز اٹھتا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے اس دھمکی کا اطلاق ان انبیاء کی امتوں پر کیا ہے۔ یہ بجا سہی مگر بہرحال اصل خطاب تو انبیاء سے ہی کیا گیا ہے۔

دوسری آیت جو صراحتہً نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور کمال ادب و احترام کے سلسلہ میں ہی نازل ہوئی ہے، یہ ہے :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجرات : ۳۰)

"اے ایمان والوا مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ ان سے گفتگو میں آواز کو اس طرح بلند کیا کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کرتے ہو، مبادا تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو پائے"۔

اس آیۂ کریمہ کی تلاوت سے میرے ذہن میں جو تصور ابھرتا ہے اور میرا دل جو گہرا اثر قبول کرتا ہے، میں اپنے قارئین کرام کو بھی اس میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام کا یہ مقام ہے کہ آپؐ کے حضور محض اونچی آواز سے بولنا بھی اس قدر خلافِ ادب، ناپسندیدہ اور ناگوار ہے کہ ایسا کرنے والوں کو حبطِ اعمال یعنی بربادیٔ اعمال کی سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے۔

کن کے اعمال؟ اب ذرا خیال فرمائیں یہ کن کے اعمالِ حسنہ تھے؟ یہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال حسنہ تھے کہ جنہوں نے اپنا تن، من، دھن بلکہ ساری زندگی حضورؐ کے لئے وقف کر دی تھی۔ وہ جو انبیاء و رُسل کے بعد بہترین خلائق تھے۔ وہ جن کی مثال چشمِ فلک نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی نہ بعد میں۔ وہ ہستیاں جن کے ذکرِ خیر کا غلغلہ ان کی پیدائش سے بھی سینکڑوں ہزاروں برس پہلے تورات و انجیل میں پایا جاتا ہے۔ وہ قدسی الصفات انسان جن کی پیشانیاں کثرتِ سجود کے نور سے چمک رہی تھیں اور وہ حضرات جن کی شان میں "اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُم" کے الفاظ آئے ہیں۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!!

کونسے اعمال؟ ان اعمال میں لازماً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضورؐ کے ساتھ غارِ ثور میں رفاقت کی وہ تین راتیں بھی شامل ہونگی جن کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کی تمام زندگی کی نیکیاں جو فرمان رسول کے مطابق آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھیں، ہیچ تھیں اور حضرت عمرؓ یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش میری عمر بھر کی نیکیوں کے عوض مجھے حضرت

ابوبکر صدیق کی ان تین راتوں کی نیکیاں مل جاتیں۔ ان اعمال حسنہ میں جنگِ بدر اور جنگِ احد کا وہ جہاد فی سبیل اللہ' وہ بے مثل جانی و مالی قربانیاں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ جاں نثاریاں بھی شامل ہونگی جن کا مقابلہ اولین و آخرین کی تمام نیکیاں بھی نہیں کر سکتیں۔ ان اعمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگ خندق میں وہ ضربتِ حیدری بھی شامل ہو گی جس نے عمرو عبدِوُدّ جیسے عرب کے مشہور بہادر جنگجو کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے اور جس پر ایک روایت کے مطابق حضور رسالت مآبؐ کی زبان فیض ترجمان نے فرمایا تھا کہ علی کی تلوار کی آج کی ایک ضرب ثقلین کی عبادت سے بہتر ہے۔ ان میں حضرت علیؓ کا قلعۂ خیبر کے ایک بہت بڑے دروازے کا ایک ہاتھ سے اکھاڑ کر مرحب جیسے کافر جری پہلوان' جو ایک ہزار کے برابر سمجھا جاتا تھا' کا قتل بھی شامل ہو گا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اللہ و رسول کے مُحِبّ اور محبوب ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔

ان اعمال حسنہ میں یقیناً جنگِ تبوک کے موقع پر عام صحابہ کرامؓ کا وہ بے مثل ایثار بھی شامل ہو گا جس میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور حضرت عمرؓ نے تو کمال ہی کر دیا تھا کہ اپنی ساری جائداد اور اثاثوں کو برابر دو حصوں میں تقسیم کر کے نصف اپنے بیوی بچوں کے لئے چھوڑ کر بقیہ نصف راہِ خدا میں دے دیا اور اپنے دل میں یہ خیال کر رہے تھے کہ وہ آج "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" کے ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بازی لے جائیں گے۔ مگر ٹھہریئے۔ ذرا تاریخ کے اوراق الٹیئے اور چشم تصور وا کیجئے۔ وہ دیکھیں' دور سے ایک بوڑھا شخص بڑی متانت مگر انتہائی تواضع اور انکسار کے ساتھ قدم بڑھائے چلا آ رہا ہے۔ یہ کون ہے جو اپنے بدن پر ببول کے کانٹوں سے ٹانکا ہوا ٹاٹ کا لباس پہنے آ رہا ہے اور گھر کا سارے کا سارا اثاثہ اپنے ساتھ لا رہا ہے؟ جی ہاں یہ وہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق اور یارِ غار ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں "إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" کے لازوال الفاظ نازل ہوئے ہیں..... یہ دیکھ کر نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ محبت سے یوں گویا ہوئے "ابوبکر گھر کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو جواب ملا "اللّٰه ورَسوله" سبحان اللہ۔ ایثار کی تو حد ہی کر دی' ہے کوئی مثال اولین و آخرین میں اسکی؟

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی،
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ زمین سے لے کر آسمان تک سب فرشتے ٹاٹ کا پیوند لگا لباس پہنتے نظر آئے۔

چونکہ "حبطِ اعمال" کی دھمکی میں قرآن نے کوئی تخصیص نہیں کی ہے اس لئے یہ بے مثل ایثار اور قربانی بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتی۔

الغرض ان سب مثالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان عظیم الشان انسانوں کے عظیم الشان کارنامے بھی اپنے محبوب نبیِ رحمت ﷺ کے ادب و احترام کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اس سے ایک طرف تو ربّ العزت کی بارگاہ میں حضورؐ کی کمال تعظیم و تکریم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور دوسری طرف اس کی شان بے نیازی کا۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است!

(اپنا منہ مشک و گلاب سے ہزار بار بھی دھوؤں' پھر بھی آپ کا نام نامی زبان پر لانا انتہائی بے ادبی ہے)

محبتِ رسولؐ کے کچھ اور تقاضے

مندرجہ بالا تقاضوں کے علاوہ محبتِ رسول کے کچھ ایسے تقاضے بھی ہیں جو قانونی فقہی تقاضوں سے برتر ہیں' جنہیں الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں' جہاں قلم ٹوٹ جاتا ہے اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ انہیں صرف عُشاق اپنے سوختہ دلوں کی تپش اور بے تاب روح کی تڑپ سے محسوس کرسکتے ہیں یا کسی قدر آنسوؤں کی زبان اس کا اظہار کر سکتی ہے۔

جب عشق و محبت اور اتباعِ محبوب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو محبوب کی اداؤں' محبوب کی صورت و سیرت اور صفاتِ محمودہ کا عکس مُحِبّ پر پڑتا ہے اور ان کے اثرات محب میں اس طرح منتقل ہو جاتے ہیں جیسے لوہا آگ میں ڈالنے سے آگ کی صفات اپنا لیتا ہے۔ اسے تصوف کی اصطلاح میں "فنا فی الرسول" کہتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے

مشہور بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے چہرے کی تاب نہ لائی جاسکتی تھی' اس لئے وہ چہرے پر نقاب ڈال کر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز میں اتفاقاً انکے چہرے سے نقاب الٹ گیا۔ خطیب کی جو نظر ان پر پڑی تو بے ہوش کر ممبر سے نیچے گر گیا۔ یہ ہے اتباع کا کمال۔ جس محبوب کے عشاق کا یہ حال ہو تو پھر وہ محبوب خود کس قدر حسن و خوبی کا مالک ہو گا؟

عاشقانِ اُو زِ خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

"نبی کریم ﷺ کے عاشق دوسرے محبوبوں سے کہیں زیادہ حسین ہوتے ہیں۔
زیادہ خوب رو' زیادہ دلکش اور زیادہ پیارے ہوتے ہیں"۔

بہرحال حضور کے حسنِ صورت' حسنِ سیرت اور دیگر محمودہ صفات کا تعلق بھی اگرچہ محبتِ رسول سے پایا جاتا ہے مگر یہ ایک طویل مستقل موضوع ہے اور موجودہ مضمون کی تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ صرف حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں اتنا عرض کئے دیتا ہوں۔

حسنِ یوسف' دمِ عیسیٰ' یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!!

<u>خلاصہ</u> : اب آیئے ان سارے مباحث کا خلاصہ نکال کر نتیجہ اخذ کرتے ہیں :

i) ہماری منزلِ حیات حقیقتِ مطلقہ تک رسائی اور اللہ تعالیٰ کا قرب و حضور حاصل کرنا ہے۔

ii) اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ایمان و اعمالِ صالحہ ہیں۔

iii) عملِ صالح صرف وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ہو۔

iv) نبی پاک ﷺ کی کامل اتباع حضورؐ کے ساتھ شدید قلبی لگاؤ اور عشق و محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

<u>نتیجہ</u> : پس نتیجہ یہ نکلا کہ سارے دین کی بنیاد نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید محبت پر قائم ہے' جس کا ایک عظیم تقاضا یہ ہے کہ حضور کا کمال ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت اور مشن کی تکمیل یعنی تمام دنیا میں اعلائے کلمۃ الحق اور دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی جدّوجہد میں اپنے تن' من' دھن کی بازی لگا دی جائے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لے جا' کیونکہ سارے کا سارا دین آپ کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ اگر تو وہاں نہ پہنچا تو پھر تمام تر علم و فضل' دینداری اور تقدس کے دعویٰ کے باوجود تو نرا بے دین اور کافر ابولہب کی طرح ہوگا"۔

حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنے دلکش انداز میں حضور ﷺ کی محبت کے بارے میں قرآن وحدیث کی عمدہ ترجمانی کی ہے!

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد ﷺ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر' مادر' برادر' مال و جاں' اولاد سے پیارا!!
يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

پوسٹ کوڈ نمبر ارسال کیجئے!

اگر آپ کو حکمت قرآن بذریعہ ڈاک موصول ہوتا ہے تو از راہ کرم آپ ہمیں اپنا پوسٹ کوڈ نمبر جلد از جلد ارسال کر دیجئے۔ پوسٹ ماسٹر جنرل کی ہدایت کے مطابق آپ کے ایڈریس کے ساتھ پوسٹ کوڈ نمبر کا ہونا ضروری ہے۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن K-36 ماڈل ٹاؤن' لاہور

پوسٹ کوڈ نمبر54700